پروفیسر عبدالغفور چودھری

مؤلفہ عبداللہ بن سحنون

اسلامی نظام کا پہلا ضابطۂ تعلیم

آداب المعلّمین

کتاب آداب المعلّمین قیروان کے قاضی ابو عبداللہ محمد بن سحنون کی تصنیف ہے۔ ان کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی۔ انھوں نے اس رسالے کی روایات کو اپنے والد امام سحنون القیروانی سے لیا ہے۔ اس مختصر سے رسالے کی امتیازی شان یہ ہے کہ یہ اسلامی تعلیم کے ادب میں ضابطۂ تعلیم پر پہلی تالیف ہی نہیں بلکہ اس کو مکتب کے معلّمین اور متعلّمین کی تعلیمی کوڈ یا ضابطہ کے لحاظ سے بھی اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چھوٹے بچّوں کے لیے ضابطۂ تعلیم پر قرونِ اولیٰ یا اخریٰ میں کسی امام یا دینی عالم نے قلم اٹھانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔

تعلیم میں عدل و انصاف

لیکن ہم اس مختصر سے رسالہ کی ورق گردانی کریں تو ہم اس کے پہلے صفحات کے عنوانوں کو ہی دیکھ کر چونک جاتے ہیں۔ اس کا دوسرا باب ہے۔ "ماجاء فی العدل بین الصبیان" یعنی چھوٹے بچّوں کو پڑھاتے وقت عدل و انصاف کے اُصول کو پیشِ نظر رکھنا، اس عنوان کے تحت حضرت انس بن مالک اور ربیع کے رسالے "الذہب" سے یہ

حدیث دی گئی ہے:-

ایما مؤدب ولا ثلاثۃ صبیۃ من ھٰذہ الامۃ فلم یعلمھم بالسویۃ فقیرھم مع غنیھم وغنیھم مع فقیرھم حشر یوم القیامۃ مع الخائنین[۵]

"کوئی اُستاد جو اس امت کے تین بچوں کو پڑھاتا ہے اور ان کے پڑھانے میں مساوات کے اصول کی پابندی نہیں کرتا۔ یعنی ان میں سے غریب کو امیر اور امیر کو غریب کے ساتھ یکساں نہیں پڑھاتا اس کا حشر قیامت کے دن خائنین میں سے ہوگا۔

ایک استاد کی حیثیت سے میں نے جب پہلی مرتبہ اس حدیث کو پڑھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میری نظر کے سامنے استاد کی حیثیت سے اپنی پوری زندگی گذر گئی۔ خدا جانے کن کن موقعوں پر کن کن لمحات میں میرا شمار قلم کارانِ ازل نے خائنین میں کیا ہوگا۔

مدینہ النبیؐ کی تعلیمی روایات

یہ حدیث سب سے پہلے میری نظر میں رسالہ آداب المعلّمین میں ہی گذری اور کیوں نہ ہو ایسی حدیثوں کی روایت کرنے کا شرف مدینہ النبیؐ کے اس امام کو ہی حاصل ہو سکتا تھا جس نے مسجد النبیؐ میں علمی مجالس کو آباد و شاداب کیا اس کے بعد اس رسالہ میں لکھائی کی تختیاں دھونے۔ چھوٹے بچّوں کو سزا دینے۔ استاد کی اُجرت اور اس کے علاوہ اسے عید تہوار یا ختمِ قرآن پر تحفہ تحائف دینے کے مسائل درج ہیں۔

اگر اس رسالے کی سادہ اور کسی قسم کے تکلّف سے معرا عبارت کا بہ نظر مطالعہ کیا جائے اور اس کی خوبیوں اور اس کی باریکیوں کو پرکھنے والی نظر تو اسی شخص کی ہو سکتی ہے جس نے امام مالک اور ان کے تلامذہ کی طرح رسول کریمؐ کی احادیث کو اس طرح اپنایا ہو کہ وہ ایک برق رواں دواں

---

[۵] آداب المعلمین، ڈاکٹر احمد فواد الاھوانی (مطبوعہ ۱۹۵۵ القاہرہ) صفحہ ۳۵۳

لرزاں و خنداں کی طرح ان کے رگ وپے میں جاری وساری ہوگئی ہوں۔ ایسے لوگ اس رسالے سے تعلیمی ضوابط کی اس قسم کی جزئیات کا بھی انبساط کر سکتے ہیں کہ مکتب میں داخلہ کی عمر کیا ہونی چاہیے۔ اور بچے کو کس عمر سے جسمانی سزا دی جاسکتی ہے محمد بن سحنون نے تو نہیں لیکن ان کے ایک شارح قابسی نے تو اچھے خاصے صریح الفاظ میں بعض جنسی مسائل پر بھی تبصرہ کیا ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن سحنون کے بعد آنے والے مصنفین نے ان کے رسالے کو خفیف سے ردّ و بدل کے ساتھ من وعن اپنی تالیفات میں لے لیا ہے۔ مثلاً جب ابوالحسن علی بن محمد ابن خلف المعروف بالقابسی الفقیہ القیروان نے چوتھی صدی میں احوال المعلمین واحکام المعلمین والمتعلمین کے نام سے ایک رسالہ اسی موضوع پر لکھا تو انھوں نے اس کی بنیاد بھی محمد بن سحنون کے رسالہ آداب المعلمین[۱] پر رکھی، اور اسی کی ہی مزید توضیح وتصریح کی۔

محمد بن سحنون کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی اور ان کا یہ رسالہ تیسری صدی کی تصنیف ہے۔ لیکن ان کی تالیف ان روایات پر مبنی ہے جو اُن کے والد سحنون نے امام مالک کے سرآمد تلامذہ سے لی تھیں اور ان ضوابط کی جزئیات مدینۃ النبیؐ کے مکتبی نظام کے ان مشاہدات سے بھی متعلق ہیں جنھیں امام مالکؒ کے ان تلامذہ نے قیام حجاز کے دوران میں حاصل کیا۔ اس لحاظ سے اس کتاب کی بنیادیں دوسری صدی ہجری کے فقہا اور راویان کرام سے وابستہ ہیں۔

اسلامی تعلیم کے ماخذ

اسلامی تعلیم کے اصول وضوابط کا اصل منبع ومرجع قرآن کی وہ آیات ہیں جو تعلیم وتعلّم اور اس کے منافع کبیر اور خیر کثیر کے بارے میں ہیں۔ ان کی مزید وضاحت ان احادیث میں موجود ہے جو احادیث کی کتابوں میں کتاب العلم کے ابواب کے تحت دی جاتی ہیں۔

ان ابواب میں معلّم اور متعلّم کے بارے میں جو احادیث اور روایات موجود ہیں۔ ان میں علم کا

---

[۱] التعلیم فی رای القابسی الاھوانی (القاہرہ ۱۹۵۵)

وہ والہانہ ذوق و شوق پھوٹ پھوٹ پڑتا ہے جو رسول کریمؐ کی ذات میں ودیعت کیا گیا تھا۔ یہی احادیث تعلیم اسلامی کے منبع و مرجع کی وہ سوتیں ہیں جو صدیوں سے طلبا اور علما کی روح کے بے پناہ صحراؤں کی آبیاری کرتی رہی ہیں۔ یہ احادیث اسلامی تعلیم کی روح مقاصد کی نہیں اس کے ضوابط کی بھی سرچشمہ ہیں۔ ان سے معلّم و متعلم، طریق تعلّم و تدریس، نوشت و خواند۔ نشست و برخاست کی جزئیات تک کے بارے میں ہدایات حاصل کرتے رہے ہیں۔

ابواب العلم محض رسُول کریمؐ کے فرمودات کا مجموعہ نہیں ان میں آنحضرتؐ کی گہری انسانیت کا پرتو، انسانوں پر آپؐ کا بے پناہ اعتماد۔ بچوں سے محبت اور ان کی شخصیت کے لیے انتہائی احترام سب کچھ موجود ہے۔

اسلامی طریقِ تعلیم کے پہلے مصنف

اس لیے قرونِ اولیٰ میں اسلامی نظامِ تعلیم کے پہلے مصنفین حدیث کے علما ہوئے ہیں۔ اس گروہ میں ابن سحنون کے بعد ان میں چوتھی صدی کے قیروان کے فقیہ القابسی کو اولیّت کا شرف حاصل ہے۔ ان کا زمانہ چوتھی صدی کا ہے۔ پانچویں صدی ہجری میں ابن عبدالعزیز قرطبی نے اپنی کتاب "جامع البیان العلم و فضلہ"[1] میں تعلیم اور اس کے طریق کار کا ذکر کیا ہے۔ ان کی وفات ۴۶۳ھ میں ہوئی۔ محمد ابن سحنون اور قابسی کی طرح انھوں نے بھی اس موضوع پر دلائل و براہین کا راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ اس کی بجائے سلف کی روایات۔ ان کی ہدایات کا تتبع اور ان کے راستے کی پیروی کو اختیار کیا ہے۔

امام غزالی کے علمی اور عملی اجتہاد کا زمانہ چوتھی صدی کے دوسرے نصف کا ہے ان کی وفات ۵۰۵ھ میں ہوئی۔ وہ فلسفہ و منطق۔ دلائل و براہین کے خارستانوں میں سے گذر کر تصوّف اور صفائی قلب کے نخلستان میں وارد ہوئے۔ وہ بڑی کٹھن منزلوں سے گذر کر حقیقت

---

[1] جامع علم و فضل و ما ینبغی فی روایۃ وحملہ (ابن عبدالبرالقرطبی)

کے اُبلتے ہوئے سرچشمے تک پہنچے تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت نے ان کی روح کی گہرائیوں میں ایک مستقل خلش پیدا کر دی تھی جو ان کو نہ تو راتوں کو سونے دیتی تھی نہ دن میں چین سے بیٹھنے دیتی تھی۔ ان کے ہم عصر لوگوں نے یہ منظر بھی دیکھا ہے کہ امام صاحب تپتے ہوئے صحرا میں پیدل چلے جا رہے ہیں۔ تن بدن کا ہوش نہیں ہے اور زبان پر عربی کا ایک شعر جاری ہے جس میں گذرے ہوئے زمانہ پر تاسف اور آیندہ کے لیے مایوسی کا اظہار ہے۔ ان کے دس سال اسی ابتلا اور آزمائش میں گذرے۔ احیاء العلوم کی بھی تالیف اسی زمانے میں ہوئی [۱]۔

اگرچہ ابتدا میں امام غزالی کا نہج فکر منطقی اور فلسفیانہ تھا لیکن جب انھوں نے احیاء العلوم کی تصنیف کی ہے اس زمانے میں وہ اس دَور سے گذر چکے تھے۔ انھوں نے اس کی پہلی جلد کا افتتاح باب العلم سے ہی کیا ہے اور ان کا طریق فکر بھی ان مصنفین سے چنداں مختلف نہیں جو حدیث اور آثار سلف کا تتبع کرتے تھے۔

ایک مقبول تصنیف اور اس کا لاطینی ترجمہ

آثار سلف کے طریق تعلیم کے تتبع کرنے والوں میں برُہان الدین زرنوجی کا نام آخر میں آتا ہے لیکن اپنی مقبولیت کی بنا پر اس مختصر رسالہ کی جس کا نام تعلیم المتعلم طریق المتعلم [۲] ہے خاص اہمیت ہے۔ اسلامی تعلیم کی کتابوں میں سے صرف کتاب کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا گیا۔ اس کتاب کی مقبولیت کی شاید ایک وجہ یہ بھی ہے کہ برہان الدین الزرنوجی صاحب ہدایہ کے شاگرد تھے۔ اور چونکہ ہدایہ فقہ کی درسی کتاب کے لحاظ سے تعلیمی حلقوں میں معروف و مقبول رہی ہے

---

[۱] احیاء العلوم فی اربعۃ الاجزء، المطبعۃ العثمانیہ المصریہ ۱۹۳۳ء

[۲] تعلیم المتعلم طریق التعلم۔ الزرنوجی داعطبقہ الرحمانیہ ۱۹۳۱ء
اس رسالے کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

اور مصنف نے اکثر اپنے استاد کی زندگی سے ہی تعلیمی اصولوں کے شواہد مہیا کیے ہیں۔ اس لیے اس کی شہرت اسلامی دنیا سے نکل کر مغرب میں بھی جا پہنچی۔ اس کی مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس کا اندازِ بیان سادہ ہے اور اسے حکایات اشعار اور امثال کے ذریعہ دل نشین بنایا گیا ہے۔ ان کے علاوہ تعلیمی فکر کے میدان میں فلسفیوں کا گروہ بھی برابر سرگرم عمل رہا ہے۔ اور اخوان الصفا۔ ابن مسکویہ۔ ابن سینا اور ابن خلدون[۱] وغیرہ نے تعلیمی عمل کو علمی۔ نفسیاتی معاشرتی لحاظ سے لیا۔

اخوان الصفا

بعض ادیب قسم کے مصنفین نے اس موضوع کو محض طنز و استہزا کے طور پر استعمال کیا۔ مکاتیب کے معلمین پر چھینٹے اڑانے میں جاحظ کسی سے کم نہیں۔ اس نے اپنے رسالۃ المعلمین کو ملا نصیر الدین یا ملا دوپیازہ کی زنبیل بنا دیا ہے لیکن اسی کے ہم عصر مصنفین اخوان الصفا نے ہمیں سب سے پہلے Tabula rasa یا الذہن کا لوح کا تصور مہیا کیا ہے۔ ان کے رسالے میں اس نظریہ کی ان الفاظ میں اسی طرح تصریح کی ہے۔ تحصیل علوم یا اعتقادات کو اپنانے سے پہلے انسان کی فکر کی مثال ایسے سادہ ورق کی ہے جس پر کچھ نہ لکھا گیا ہو تب اس پر حق یا باطل قسم کی کوئی چیز مرتسم کر دی گئی تو وہ جگہ بھر جاتی ہے اور اس کے بعد اس پر کسی دوسری شے کا لکھنا ممکن نہیں۔ اور اس کا مٹانا اور محو کرنا بھی آسان نہیں ہوتا[۲]

ابن مسکویہ

احمد بن مسکویہ نے بھی اپنی کتاب تہذیب الاخلاق میں بچوں کی تعلیم پر ایک باب شامل کیا ہے۔ اس کا طرز عمل خالص فلسفیانہ ہے اور اس نے اپنے خیالات کو زیادہ تر یونانی

---

[۱] المقدمہ، ابن خلدون المطبعۃ البہیۃ بالازہر۔

[۲] اخوان الصفا جلد چہارم صفحہ ۱۱۴ المطبعۃ العربیۃ ۱۹۲۸ء

مفکرین اور بالخصوص بروسن سے لیا ہے[۵]۔ اخوان الصفا اور ابن مسکویہ پر یونانی طرزِ فکر کا نہایت گہرا اثر ہے۔ لیکن ابن سینا اور اس کے بعد ابن خلدون اس کے گہرے سایوں سے بہت حد تک آزاد نظر آتے ہیں۔ تعلیم پر ان کے جو افکار ہیں ان میں دین کی گہرائی بھی ہے اور فلسفہ کی گیرائی بھی۔

ان کے علاوہ اخلاقیات پر لکھنے والے بھی اپنی کتابوں میں تعلیم ضرور لکھتے تھے۔ اہل عرب کی ان روایات کو اہل عجم نے بھی لے لیا۔ اور اخلاق جلالی یا اخلاق ناصری جیسی کتابوں میں بھی تعلیم پر مستقل ابواب شامل کیے گئے ہیں۔

صوفیا کا تعلیمی نظام

ان کے علاوہ صوفیائے کرام کی تصنیفات اور ان کے ملفوظات کی پوری روح تعلیمی اثرات سے بھرپور ہوتی ہے اور ان کے تابیفات میں تعلیم پر علیحدہ ابواب بھی ہوتے ہیں۔ ہر سلسلے کی بیعت و ارشاد کے طریق معین قسم کے ہوتے تھے جن میں باطنی تعلیم کے ساتھ ساتھ ظاہری تربیت کو بھی اہمیّت دی جاتی تھی۔ مریدوں کو خانقاہ کے قیام میں سخت قسم کی ضبط کی پابندی کرنی پڑتی تھی۔ ان کی زندگی کے ہر لمحے پر احتساب کیا جاتا تھا۔ ان کو کھانے پینے نشست و برخاست ہر بات میں ان اصولوں کی پابندی کرنی پڑتی تھی۔ ان کی تعلیم کے کئی ایک درجے یا منزلیں تھیں جن کی تکمیل پر پیر کی طرف سے عبا عصا اور کلاہ وغیرہ عطا کیا جاتا تھا۔ خلافت کے عطا کرنے کی رسوم میں جن آداب کی پابندی کی جاتی تھی وہ زمانہ جدید کی کسی یونی ورسٹی کنووکیشن سے کسی حالت میں کم نہیں تھیں۔ ہمیں اس امر کے شواہد بھی ملتے ہیں کہ مغرب کی یونی ورسٹیوں نے اس رسم کو اسلامی مدرسوں کے رسم اجازہ اور

---

[۵] تہذیب الاخلاق ابن مسکویہ المطبعۃ الخیریہ ۱۹۳۳ء

صوفیائے کرام کی دستار بندی کے طریق سے لیا[۵]

تعلیمی مصنفین کے طبقات

اس لحاظ سے تعلیم پر لکھنے والوں کے کئی ایک طبقات ہیں - ایک تو ایسے مصنفین جو آثار سلف کے پیروکار ہیں اور ان کے تعلیمی اصولوں کی بنیاد حدیث اور اہل حجاز کا تعلیمی لائحہ عمل ہے - ان کے بعد ایسے مفکر جنھوں نے یونانی فلسفہ تعلیم اور نفسیات کو جوں کا توں لے لیا - ان کے بعد ایسے مفکروں کا طبقہ آتا ہے جنھوں نے تعلیم کے میدان میں یونانی فکر کو اسلامی معاشرے کے سانچے میں ڈھالا لیکن ابن خلدون اور البیرونی کی حیثیت ایسے مفکرین کی ہیں جنھوں نے اپنے ایوان فکر کو بالکل نئی بنیادوں پر استوار کیا -

امام غزالی بذاتہ تعلیمی فکر کے میدان میں ایک منفرد دبستان کے مالک ہیں جس کا اصل رنگ تو قرآن و حدیث اور صوفیائے کرام کی طرزِ فکر و عمل کا ہے لیکن ان کے ہاں یونانی طریق استدلال کی جھلک برابر پائی جاتی ہے - ان سب طبقوں میں اثر کی گہرائی اور گیرائی کے لحاظ سے سب سے زیادہ اہم وہ تعلیمی مفکر ہیں جن کو اہل الرائے کے مقابلے میں اہل الحدیث کہا جا سکتا ہے - یعنی وہ علما جو اپنی فکر کی بنیاد حدیث اور اہل حجاز کے عمل پر رکھتے ہیں - ان کے رہنمائے عظیم امام مالک ہیں - محمد ابن سحنون کی آداب المعلمین امام مالک کی تعلیمات اور اہل حجاز بالخصوص اہل مدینہ کے تعلیمی عمل کا عکس پیش کرتی ہے -

تعلیمی ادب میں اولیت کا شرف

ویسے یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی دنیا کا پہلا ضابطۂ تعلیم مغرب میں کیوں تدوین ہوا، اور ہمیں مدینہ اور اہل حجاز کے ملکیتی نظام کی معلومات بھی اسی وسیلہ سے کیوں

---

[۵] اسلام کا نظامِ تعلیم ورانی - یہ کتاب ایک جرمن مستشرق کے رسالہ کی تلخیص ہے - اس جرمن عالم نے اسلامی تعلیم کے مغرب پر ان اثرات کا قدرے تفصیل سے اعتراف کیا ہے -

حاصل ہوئیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مغرب کے سوا دوسرے علمی مراکز سیاسی مرکزوں کے قریب تھے۔ وہاں کے اکثر علماء کے خلفا اور ان کے عمائدین سے گہرے روابط تھے۔ خود فقہا کو حکومت کے منصب داری نظام میں خاص امتیاز حاصل تھا۔ اس لیے اُن کی دلچسپیاں زیادہ تر ان فقہی مسائل سے متعلق تھی جن کا خلفا اور ان کے امرا کی زندگی سے تعلق تھا۔ المغرب سلطنت کے سیاسی مراکز سے اتنا دور تھا کہ وہاں کے علما ایک حد تک ان اثرات سے محفوظ تھے۔ اس کے علاوہ مکتبی تعلیم عوامی کا مسئلہ تھا اور اس میں ان ہی علما اور فقہا کو دلچسپی ہو سکتی تھی جن کا دربار سرکار سے تعلق نہ ہو۔ سحنون قیروان کے قاضی تو تھے لیکن وہ کسی سے وابستہ نہیں تھے۔ اس کے علاوہ اہل مغرب کو مشرقی ممالک کی نسبت زیادہ ضرورت تھی۔ اس زمانے میں عوامی تعلیم کتابی کی بجائے زیادہ تر سماعی ہوتی تھی اور مذہب اور اس کی معلومات کے بارے میں معاشرہ کا شعور نکھرا ہوا تھا۔ شہروں سے در کنار دیہی علاقے کے باشندوں کے لیے سماجی تعلیمی کے اتنے کثیر ذرائع تھے کہ ان کی مذہبی معلومات کا معیار خود بخود اونچا ہو جاتا تھا۔ پھر ان مراکز کی عوامی زبان بھی عربی تھی۔ اس لیے عوام کو سماجی تعلیم کے ان ذرائع سے استفادہ کرنے کی بھی زیادہ سہولت تھی۔ المغرب کا معاملہ ان سے قدرے مختلف تھا۔ شمالی افریقہ کی آبادی میں اہل بربر کا معتدبہ عنصر موجود تھا۔ ان کی مادری زبان عربی نہیں تھی اس لیے وہاں کے علما کو اس امر کی خاص ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ مکتب کی تعلیم اور اس کے ضوابط پر توجہ کریں۔

اس کی وجوہات

ابن خلدون کے قول کے مطابق ان کے معاشرے میں بدویت کا عنصر غالب تھا۔ اس لیے ان کے ہاں فقہ مالکی کو خاص مقبولیت حاصل ہوئی اس کے اپنے الفاظ میں امام کا مذہب المغرب اور اندلس میں پھیلا۔ اگرچہ اور ممالک میں ممالک میں بھی آپ کے مقلد پائے جاتے ہیں لیکن بہت کم ہیں۔ المغرب اور اندلس میں مالکی مذہب

کے عام ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ مغرب و اندلس سے جس نے سفر کیا اور تحصیل علم کے لیے نکلا، وہ سیدھا حجاز پہنچا۔ مدینہ منورہ اُن دنوں دار العلوم تھا اس لیے ان کو زیادہ تر علمائے مدینہ سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ مدینہ میں امام مالک یا اُن کے شاگرد مسندِ تدریس پر متمکن تھے۔ اس لیے جو بھی گیا وہ مالکی المذہب ہو کر واپس آیا اور اسی مذہب کو رواج دیا۔ اس کے علاوہ مالکی مذہب کے رواج کی وجہ یہ بھی تھی کہ مغرب و اندلس اس زمانے میں بدویت پسند ملک تھے اور انھیں اہلِ عراق کے تمدّن و حضریت سے کچھ واسطہ نہیں تھا۔ اس لیے یہ بدویت اہل مغرب اور اندلس کو بجائے عراق کے حجاز کی طرف بھیج کرلے جاتی رہی۔ اور اس نے انھیں امام مالک کا پیرو اور مقلد بنا دیا۔ چونکہ مالکی مذہب زیادہ تر اندلس اور مغرب ہی میں پھیلا۔ اور یہاں کے رہنے والے بھی بدویانہ طور طریق کے پابند تھے اس لیے یہ مذہب حضری تہذیب و تنقیح سے محروم رہا اور سادگی اس کے لوازمات میں سے رہی۔" [1]

اسلامی دنیا کا پہلا ضابطۂ تعلیم

آداب المعلمین ابو عبد اللہ محمد ابن سحنون کی تصنیف ہے اور اولیت کے لحاظ سے اسلامی دنیا میں ضابطۂ تعلیم کی پہلی کتاب ہے۔ رسالہ کا ما بہ الامتیاز محض اس کی اولیت ہی نہیں، بلکہ خود اس کے مصنف کی علمی اور دینی حیثیت بھی ہے۔ ابو عبد اللہ محمد ابن سحنون مغرب میں مذہب مالکی کے عظیم ستونوں میں سے تھے اور ان کے والد سحنون کو جو شہرت فقہ مالکی میں حاصل ہوئی ہے وہ کسی کے نصیب میں نہیں آئی۔ ان کی کتاب المدونہ کی فقۂ مالکی میں وہی حیثیت ہے جو علم الحساب میں اقلیدس کی اور کتاب سیبویہ کی علم نحو میں۔ دس مبسوط جلدوں میں یہ تصنیف مصر سے شائع ہو چکی ہے [2]۔ المدونہ سینکڑوں سال تک فقۂ مالکی کی

---

[1] المقدمہ ابن خلدون صفحہ ۳۹۲

[2] المدونۃ الکبریٰ لسحنون القیروانی دس جلدوں میں مطبع السعادۃ مصر ۱۳۲۳ھ

مستند کتاب رہی ہے اور اس کی شرح لکھنے کا شرف بہت سے مشہور مغربی علما کو حاصل ہوا۔ ان میں سے ایک علامہ ابن حزم بھی ہیں۔

محمد ابن سحنون نے اس رسالے میں اپنے والد سے جو احادیث روایت کی ہیں وہ ان کے والد سحنون نے اکثر و بیشتر ابن القاسم سے لی ہیں۔ ابن القاسم کو امام مالک کے شاگردوں میں خاص امتیاز حاصل تھا۔ ابن حزم نے اپنی کتاب الاحکام میں بھی ان کی اس حیثیت کی تصدیق و توثیق کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"المنقول عن اصحاب الامام .... رأتی ابن القاسم واستحانه و قیامه علی اقوال مالك (کتاب الاحکام جلد چہارم صفحہ ۲۱۸)

محمد بن سحنون

اس رسالے کے مصنف ابوعبداللہ محمد ابن سحنون کی حیثیت اگرچہ اپنے عظیم المرتبت والد کے برابر تو نہیں لیکن انھوں نے بھی حتی المقدور اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کی۔ قیروان اور المغرب میں مذہب مالکی کی اشاعت میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ انھوں نے تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور ان کی وفات کے بعد ان کی مجلس میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

محمد ابن سحنون فقہ کے بہت بڑے عالم تھے اور اپنے والد کی طرح وہ اہل مدینہ یعنی امام مالک کے بہت بڑے مؤید اور فقہ مالکی پر جو اعتراض وارد ہوتے تھے ان کا سختی سے رد کرتے تھے۔ انھیں علم آثار یعنی تاریخ اور اسماء الرجال میں بھی بڑی دسترس حاصل تھی لیکن ان کی زیادہ دلچسپی علم فقہ اور علم مناظرہ سے تھی۔ مناظرے کے دوران میں وہ خوب خوب دلائل پیش کرتے تھے اور اہل السنۃ والمذہب کی پوری پوری مدافعت کرتے تھے۔

محمد ابن سحنون مغرب (شمالی افریقہ) میں اپنے زمانے کے امام تھے۔ اور وہ کئی لحاظ سے بڑے جامع الصفات شخصیت تھے۔ وہ بیک وقت فقہ، علم الآثار، مناظرہ اور حدیث کے عالم تھے۔ وہ اہل مدینہ کے پُرجوش مؤید تھے۔ ایک ہی شخص میں اتنی خوبیوں کا ایک ساتھ جمع ہونا

آسان نہیں ہوتا۔

محمد ابن سحنون کی تصنیف کی اہمیت اور مغرب میں اس کی مقبولیت کی بڑی وجہ ان کے والد سحنون کی روایات تھیں۔ ہم نے اس سے پیشتر اس امر کی توضیح کی ہے کہ زرنوجی کی کتاب "تعلیم المتعلم" کی عام مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس کے مصنف صاحب ہدایہ کے شاگرد تھے۔ المغرب میں آداب المعلمین کی ہردلعزیزی کی بھی کچھ ایسی ہی وجہ تھی چونکہ مصنف کے والد سحنون کی کتاب "المدونہ" شمالی افریقہ میں فقہ مالکی کی سب سے مستند تصنیف تسلیم کی گئی تھی اس لیے ان کی تعلیمی روایات پر بھی لوگوں کو پورا پورا اعتماد تھا۔

سحنون اور ان کی تعلیم

سحنون کا پورا نام سعید عبدالسلام بن سعید التنوخی الملقب بہ سحنون الفقیہ المالکی تھا۔ وہ ۱۶۰ھ میں رمضان کی پہلی رات کو پیدا ہوئے اور ان کی وفات ۲۴۰ھ میں اس تاریخ کو ہوئی جب ماہ رجب کے پورا ہونے میں نو دن باقی تھے۔ ان کا یوم وفات یوم الثلاثا تھا۔ ان کا لقب سحنون ہے۔ یہ مغرب کے ایک پرندہ کا نام ہے جو ذہن کا بہت تیز ہوتا ہے۔ ان کو ان کی ذکاوت کی وجہ سے سحنون کہا جاتا تھا[۵]

سحنون کو خود امام مالک کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ اور انھیں اس کی محرومی کا تمام عمر افسوس رہا۔ سوانح نگاروں نے اکثر ان حسرت آگین خیالات کا اعادہ کیا ہے۔ جن میں سحنون اپنی غربت اور ناداری پر افسوس کرتے تھے۔ ان کی امام مالک کی خدمت سے محرومی کی بڑی وجہ مالی ذرائع کی کمی تھی۔ سحنون نے امام مالک کی زیادہ روایات ابن القاسم سے حاصل کیں جو مصر میں مقیم تھے۔ سحنون جب تحصیل علم کے لیے وطن سے روانہ ہوئے تھے تو ان کا ارادہ امام مالک سے روایت کرنے کا تھا مگر ان کے مالی حالات نے انھیں اس لمبے

---

[۵] المقدمہ المدونۃ الکبریٰ

سفر کی اجازت نہ دی اور انھیں مصر میں ابو القاسم کی روایات پر ہی اکتفا کرنا پڑا۔ ویسے ان سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ آپ کو امام مالک سے سماعت میں کونسی چیز حارج ہوئی تو انھوں نے جواب دیا "قلۃ الدراھم" ایک اور موقع پر جب ان سے یہی سوال دہرایا گیا تو انھوں نے کہا خدا غریبی کو غارت کرے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو میں ضرور امام مالک سے استفادہ کر سکتا۔

سحنون کا کہنا ہے کہ جب وہ ابن القاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ مصر میں ان کا قیام پانچ سال کے قریب رہا اور جب وہ شمالی افریقہ کو لوٹے ہیں تو ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔

المغرب اور مدینۃ النبیؐ

مغرب کے طلبا وطن سے چلتے تھے تو سب سے پہلے ان کے راستے میں مصر کا ملک پڑتا تھا مصر علوم کے مراکز میں خاص اہمیّت رکھتا۔ امام شافعیؒ اگرچہ خود حجاز کے رہنے والے تھے۔ لیکن انھوں نے مصر میں ہی شہرت حاصل کی تھی۔ اور ابن الحکم کا خاندان جو ان کا خاص مربی رہا تھا ان کا وطن بھی مصر تھا۔ اس کے علاوہ اگرچہ امام مالک نے اپنی پوری عمر مصر میں گذاری، لیکن ان کے بعض عظیم شاگردوں نے مصر کی مجالس علمی کو آباد کیا۔ ان میں زیادہ سر برآوردہ امام عبد الرحمن ابن القاسم ابن وہب اور اشہب تھے۔ سحنون نے ان سب سے سماعت کی۔ اس کے بعد ان کی ریاستہ فی العلم مغرب میں تکمیل پا گئی۔ ان علما نے اپنے ہونہار طالب علم کی بڑی ہمّت افزائی کی۔ اشہب سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے پاس مغرب سے کون کون سے طلبا آئے۔ انھوں نے کہا۔ سحنون۔ اس پر ان سے پوچھا اسد بن الفرات کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ انھوں نے کہا۔ خدا کی قسم سحنون ان سے ننانوے مرتبہ زیادہ دین کی سمجھ رکھتے تھے۔[1]

ابن القاسم کی بھی ان کے بارے میں کچھ ایسی ہی رائے تھی۔ ان کا کہنا ہے کہ مصر میں مغرب سے

---

[1] المقدمہ المدونۃ الکبریٰ وترجمہ محررۃ، امین الخولی جلد سوئم صفحات (۶۱ — ۶۲)

جتنے طلبا آئے ہیں ان میں آج تک سحنون جیسا طالب علم وارد نہیں ہوا۔ فقہ مالکی میں ان کے انتہائی شغف اور ذاتی خلوص کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کو مغرب کے ممالک میں فقہ مالکی میں ریاست العلم کا منصب ملا۔ اور ان کے مقابلہ میں اسد ابن الفرات یا دوسرے لوگوں کا چراغ نہ جل سکا۔

اسد ابن الفرات ان مجاہد علما سے ہیں جنھوں نے جزیرہ سسلی کے جہاد میں حصّہ لیا تھا۔ اسد ابن الفرات سرقوسہ (saragossa) کے امیر جیش یعنی شہر کمانڈر اور قاضی تھے۔ ان کی وفات ۲۱۳ھ میں ہوئی۔

شمالی افریقہ میں سحنون کے اتنے اصحاب اور تلامذہ ہوئے کہ امام مالکؒ کے اصحاب میں کوئی بھی اس بات میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ان کے سبب امام مالکؒ کے مذہب کی مغرب میں اشاعت ہوئی۔ ان کی المدونہ کی المغرب میں بے شمار شرحیں لکھی گئیں اور تونس اور مراکش کے شیوخ نے اس کو کافی اور معتمد سمجھ کر باقی سب کتابوں کو ترک کر دیا۔

رسالہ آداب المعلمین

محمد ابن سحنون کا یہ رسالہ عرصے سے ناپید تھا۔ اس کو استاد حسن حسنی عبدالوہاب پاشا نے بہت کوشش کے بعد تلاش کر کے ۱۳۵۰ھ میں تونس سے شائع کیا۔ اس کے بعد اس کا ایک نیا ایڈیشن ڈاکٹر احمد فواد الاہوانی استاد فلسفہ کلیتہ الآداب جامعتہ القاہرہ نے قاہرہ سے ۱۹۵۵ء میں شائع کیا۔ ڈاکٹر اہوانی نے اپنی ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے "التعلیم فی رائی القابسی" کا انتخاب کیا تھا۔ اور چونکہ قابسی نے اپنی تصنیف کی بنیاد محمد ابن سحنون کے رسالہ آداب المعلمین پر رکھی تھی، اس لیے ڈاکٹر اہوانی نے اپنے مقالہ کے آخر میں اس رسالہ کو بھی شائع کر دیا۔ اب ہم اس رسالہ کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

تعلیم القرآن

ابوعبداللہ محمد ابن سحنون نے کہا کہ میرے والد سحنون نے عبداللہ بن وہب سے روایت

کی ۔ انھوں نے سفیان بن ثوری سے، انھوں نے علقمہ بن مرشد سے، انھوں نے ابی عبدالرحمن سلمی سے، انھوں حضرت عثمانؓ بن عفان سے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ۔ تم میں سے سب سے افضل وہ ہے جو قرآن کو سیکھے، اور سکھائے ۔

محمد ابن سحنون نے ایک اور سلسلے سے حضرت علیؓ ابن طالب سے روایت کی کہ رسول اللہ نے فرمایا ۔ تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے ۔ محمد ابن سحنون نے ایک اور سلسلے سے روایت کی، کہا، حضرت علیؓ ابن طالب نے کہ فرمایا نبی کریمؐ نے قرآن قوموں کو بلند کرتا ہے ۔

سحنون نے روایت کی کہ حضرت علیؓ نے کہا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا، تم پر قرآن کا پڑھنا اور پڑھانا فرض ہے کیونکہ یہ منافقت کو اس طرح دور کرتا ہے جیسے آگ لوہے کی میل کو ۔

موسیٰ نے ایک سلسلے میں انس بن مالک سے روایت کی کہ رسول اللہ نے فرمایا ۔ بلاشبہ لوگوں میں سے خدا کے اہل دو ہیں ۔ آپؐ سے دریافت کیا گیا "رسول اللہ! وہ کون ہیں تو آپ نے جواب دیا وہ حملۃ القرآن ہیں ۔ وہ اہل اللہ ہیں ۔ اور اس کے خواص میں سے ہیں ۔

مالک نے اس سلسلے سے روایت کی کہ حضرت عمر بن الخطاب نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ قرآن سات حروف[۵] پر نازل ہوا ہے تو اس میں سے جتنا بھی آسانی سے پڑھ سکو پڑھا کرو ۔

---

[۱] اس رسالے میں زیادہ روایات ابوعبداللہ محمد بن سحنون سے ہیں انھوں نے بیشتر موقعوں پر اپنے والد سحنون سے روایت کی ہے ۔

[۲] علم کی فضیلت پر احادیث کے سب مجموعوں میں کتابیں یعنی سیکشن موجود ہیں جن کو کتاب العلم کہا جاتا ہے کتاب العلم کا آغاز علم کی فضیلت کے باب سے ہوتا ہے اس رسالے کی اکثر احادیث صحاح ستہ اور دوسرے مجموعوں میں شامل ہیں

[۳] قرآن کے یاد کرنے والے اور روایت کرنے والے ۔

[۴] سات حروف سے قرأت کے سات دبستان، مراد ہیں ۔ یہاں قرأت سے آج کل کے مروجہ معنی مراد نہیں ہیں بلکہ قرأت سے یہاں یہ مراد ہے کہ قرآن کے بعض الفاظ کو مختلف دبستانوں کے لوگ قدرے مختلف حروف سے پڑھتے ہیں "سات حروف" سے ان الفاظ کو مختلف طریق سے پڑھنا مراد ہے ۔

موسیٰ بن معاویہ الصمادحی نے ایک سلسلے میں بیان کیا کہ خدلیفہ نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس نے قرآن کو اعراب کے ساتھ پڑھا اس کے لیے شہید کا ثواب ہے۔

محمد بن سحنون نے مختلف واسطوں سے ابی ہریرہ سے روایت کی کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ جس شخص نے نوعمری میں قرآن سیکھا تو قرآن اس کے گوشت اور خون کے ساتھ یک جان ہو گیا۔ اور جس نے اس کو بڑھاپے میں سیکھا اور قرآن اسے بھول بھول جاتا تھا۔ لیکن قرآن کو اس نے ترک نہیں کیا تو اس کے لیے دوہرا ثواب ہے۔

ابن سحنون کہتے ہیں کہ مجھے مختلف واسطوں سے حضرت عثمان بن عفان کی یہ روایت جو اس آیت کے بارے میں پہنچی ہے "ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا" (پھر ہم نے اس کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا تھا) اس کے ضمن میں حضرت عثمان نے کہا جو شخص قرآن سیکھتا اور سکھاتا ہے وہ ان میں سے ہے جن کو اللہ نے بنی آدم میں سے انتخاب کیا ہے۔

محمد بن سحنون کو مختلف واسطوں سے سفیان ثوری کی یہ روایت پہنچی کہ ابن مسعود نے کہا کہ لوگوں کے لیے تین باتوں کے بغیر چارہ نہیں۔ ایک تو لوگوں کے لیے ایسے امیر کا ہونا لازمی ہے جو ان کے مابین حکم کا کام کرے۔ اگر ایسا امیر نہیں ہو گا تو لوگ ایک دوسرے کو کھا جائیں گے دوسرے لوگوں کے لئے قرآن کی خرید و فروخت بھی لابدی اور ضروری ہے۔ کیونکہ اگر یہ کاروبار نہ ہو گا تو کتاب اللہ (لوگوں کے مابین) گم ہو جائے گی۔ نیز لوگوں کے لیے یہ بھی لابدی ہے کہ معلّم ان کی اولاد کو پڑھائے اور اس پر اجرت لے۔ اگر یہ نہیں ہو گا تو لوگ امی رہ جائیں گے۔

ابن وہب[۱] نے عمر بن قیس سے روایت کی کہ انھوں نے عطا سے۔ یہ عطا معاویہ کے زمانے میں قرآن پڑھاتے تھے اور اس کا شرط نامہ بھی کرتے تھے۔ ابن وہب نے ابن جریج

---

[۱] ابن وھب امام مالک کے ایک ممتاز شاگرد تھے سحنون نے ان سے مصر میں روایت کی تھی۔

سے روایت کی کہ انھوں نے کہا کہ میں نے عطا سے پوچھا کیا تم قرآن پڑھانے پر اُجرت لیتے ہو وہ کہنے لگے کیا تمھیں معلوم ہے کہ کسی نے اس کو مکروہ جانا ہو۔ میں نے کہا نہیں۔

ابن وہب سے ایک اور روایت ہے کہ سعد بن مالک ایک شخص کو اپنے ساتھ لاتے تاکہ ان کے بیٹوں کو مدینے میں قرآن پڑھائے اور وہ اس کو اُجرت دیتے تھے۔ ابن وہب نے کہا کہ امام مالک نے فرمایا۔ اگر معلم تعلیم القرآن پر اُجرت لے تو اس میں کوئی ہرج نہیں اور اگر اس پر شرط نامہ کرے تو یہ حلال اور جائز ہے۔ اس میں شرط نامہ کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔ اور ختم قرآن کا عطیہ اس کے لیے واجب ہے۔ خواہ اس نے شرط نامہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور ہمارے شہر[1] میں معلمین کے بارے میں یہی رواج ہے۔

بچوں کے مابین انصاف اور عدل[2]

محمد بن سحنون کہتے ہیں کہ میں نے کئی ایک واسطوں سے سنا کہ انس بن مالک نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اس اُمّت میں سے جو کوئی تین بچوں کو ادب سکھائے اور ان کو ایک جیسا نہ پڑھائے یعنی ان میں سے غریب کو امیر کی طرح اور امیر کو غریب کی طرح تو روز قیامت میں اس کا حشر خیانت کرنے والوں سے ہوگا۔

موسیٰ نے فضیل بن عیاض[3] سے روایت کی انھوں نے لیث سے اور انھوں نے حسن سے کہ

---

[1] ہمارے شہر سے یہاں مدینۃ النبی صلعم مراد ہے حضرت امام مالک سے جو روایات ہیں ان کے ضمن میں ہمیں ان کے دَور کے نظام مکاتیب کا اچھا خاصہ اندازہ ہوسکتا ہے۔

[2] جہاں تک ہمارے موجودہ نظامِ تعلیم کا تعلق ہے اس عنوان کی روایات ایک المناک اہمیت کی حامل ہیں۔ کیا ہمارے استاد اپنے ضمیر کو ایک ٹھونکا دے کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ اسلامی نظام تعلیم کے اس اصول کے تقاضوں کو پورا کر دیتے ہیں۔

[3] ہارون رشید کے زمانے میں مشہور صوفی منش بزرگ صوفیائے کرام کے تذکروں ان کی ہارون رشید کے ساتھ تذکرے موجود ہیں۔ ہارون رشید جیسے ہیبت اور جبروت والے حکمران کی آنکھوں کو خوف عاقبت سے اگر کوئی اشکبار کر سکا تو وہ فضیل بن عیاض ہی تھے۔ یہ روایت حضرت فضیل عیاض کے اخلاق بلند اور عوام سے بے پناہ ہمدردی کے جذبے کی آئینہ دار ہے۔

جب کسی معلّم سے اُجرت پر فیصلہ کر لیا جائے اور وہ بچوں کے مابین عدل نہ کرے تو اس کا شمار ظالموں میں ہوگا۔

ذکر ان مکروہ امور کا جو اللہ تعالیٰ کے نام کو مٹانے کے سلسلے میں سرزد ہوتے ہیں اور اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے

ابن سحنون نے انس بن مالک سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ اگر بچے اپنی الواح سے قرآن کریم کی لکھائی کو ایڑیوں سے رگڑ رگڑ کر مٹائیں تو یوں سمجھو کہ معلّم نے اپنے اسلام کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا۔ اور اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کو روز قیامت کو اس سے کیا مواخذہ کیا جائے گا۔

انس نے جواب دیا کہ ہر استاد کے پاس ایک اجانۃ ہوتا تھا۔ ہر روز ہر ایک بچہ اپنی باری سے پاک پانی لاتا تھا اور اس کو اجانۃ میں ڈال دیتا تھا۔ الواح کو اس پانی سے صاف کرتے تھے۔ انس نے کہا کہ اس کے بعد ایک گڑھا کھود کر اس پانی کو اس میں ڈال دیتے تھے تاکہ زمین جذب ہو جائے۔

مَیں نے پوچھا کہ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے کہ لکھائی کو زبان سے چاٹ کر صاف کر لیا جائے۔ انھوں نے کہا اس میں کوئی ہرج نہیں لیکن ایڑی سے صاف نہ کیا جائے یا کسی رومال یا اس قسم کی کسی اور چیز سے صاف کر لیا جائے۔ مَیں نے پھر دریافت کیا کہ بچے کے مسائل کی کتاب میں سے جو لکھیں اس کے بارے میں کیا رائے ہے۔ انھوں نے کہا کہ جس میں اللہ کا ذکر ہو اس کو ایڑی سے نہ مٹایا جائے۔ اور اس کے علاوہ ایسی لکھائی کو جو قرآن میں سے نہ ہو اسے اس طرح مٹایا جائے تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ اور موسیٰ نے جویبر بن منصور سے روایت کی کہ ابراہیم النخعی کہا کرتے تھے کہ اگر تم کسی آدمی کے کپڑے اور اس کے لبوں پر سیاہی کے نشان دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ اہلِ مروت میں سے ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی رائے میں اگر تحریر کو چاٹ کر صاف کر دیا جائے یا نگل لیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

جائز اور ناجائز تادیب کے بارے میں

ابن سحنون کہتے ہیں کہ یوسف بن محمد سے روایت ہے کہ ایک دن مَیں سعد الخفاف کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا بیٹا روتا روتا اس کے پاس آیا۔ انھوں نے پوچھا۔ بیٹا کیوں روتے ہو، وہ کہنے لگا مجھے معلّم نے مارا ہے۔ اس پر انھوں نے کہا، خدا کی قسم آج مَیں تمھیں ضرور ایک حدیث

سناؤں گا۔ اس حدیث کو عکرمہ نے روایت کیا ہے اور انھوں نے حضرت ابن عباس سے۔ ”فرمایا رسول کریمؐ نے کہ میری امت میں سے بچوں کے معلم سب سے زیادہ شر والے ہیں۔ یتیم پر سب سے کم شفقت کرنے والے اور مساکین پر سب سے زیادہ سختی کرنے والے (اس کی توضیح کرتے ہوئے) محمد ابن سحنون نے کہا کہ یہ اس لیے کہا گیا کہ معلم بچوں کو اس وقت سزا دیتے ہیں، جب وہ غصّے کی حالت میں ہوتے ہیں۔ وہ انھیں ان کی بہتری یا فائدے کے لیے سزا نہیں دیتے اگر وہ ان کی بہتری کے لیے سزا دیں تو اس میں کوئی ہرج نہیں[۵۱]۔ اور تین تھپیڑوں سے زیادہ مارنا جائز نہیں۔ لیکن اگر اسی ”بچے“ نے کسی دوسرے کو ایذا پہنچائی ہو اور بچے باپ نے اجازت دے دی ہو تو اس سے زیادہ بھی سزا دی جا سکتی ہے[۵۲]۔ اگر استاد بچے کو کھیل کود یا بطالت کی وجہ سے سزا دیتا ہے تب بھی دس تھپیڑ سے زیادہ مارنا جائز نہیں۔ لیکن قرآن پڑھنے میں تین تھپیڑ سے زیادہ مارنا کسی صورت میں جائز نہیں۔ اس پر میں نے کہا۔ قرآن کے سوا دوسرے امور میں دس دن تک کی اجازت کیوں دی گئی ہے اور قرآن کے لیے سزا کو تین تھپیڑوں تک کیوں محدود کیا گیا تو سحنون نے کہا کہ دس تھپیڑ کی سزا تو تادیب کی آخری حد ہے اور میں نے امام مالک کو اسی طرح کہتے سنا ہے۔ رسولِ کریمؐ فرمایا کرتے تھے تم میں سے کوئی شخص دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دے۔ سوائے اس حالت میں کہ وہ شرعی حد کی سزا دے رہا ہو۔

محمد ابن سحنون نے اس حدیث کی اسناد کو بھی بیان کیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ہمیں یعقوب بن حمید نے روایت کی۔ انھوں نے وکیع سے اور وکیع نے ہشام بن ابی عبداللہ بن ابی بکر

---

۵۱ تعلیمی ضبط کی نفسیات پر اس سے مختصر اور بہتر تبصرہ مشکل ہے ایک اہل دل نے صابرین کے زمرے میں ان اساتذہ کو بھی شامل کیا ہے جو غبی طلبا کی غلطیوں پر صبر کرتے ہیں۔ خصوصًا ایسے طلبا جو حساب میں کمزور ہیں۔ اس موضوع پر ابن مسکویہ۔ امام غزالی۔ ابن خلدون نے بھی فلسفیانہ اور محققانہ انداز میں بحث کی ہے

۵۲ تقابل کے لیے ملاحظہ کیجیئے ہماری صوبائی تعلیمی کوڈ جس میں بچے کو بدنی سزا دینے کے سلسلے میں چند پابندیاں عاید ہیں۔

سے ۔ انھوں نے کہا کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ ایسے شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے یہ جائز نہیں کہ وہ دس کوڑوں سے زیادہ سزا دے لیکن حد کی صورت میں (یعنی اگر وہ شرعی حد جاری کر رہا ہے تو اس وقت دس سے زیادہ کی سزا دے سکتا ہے)

محمد ابن سحنون کہتے ہیں کہ ہم نے ریاح نے ایک سلسلہ سے یہ حدیث بیان کی کہ راوی نے کہا ، مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا بچّے کی تادیب صرف تین درّوں تک ہے اور جو شخص اس سے زیادہ سزا دے گا تو اس سے قیامت کے روز اس کا قصاص لیا جائے گا ، اور ایسے امور میں جن میں شرعی حد جاری نہیں ہوئی ایک مسلمان کی حد تادیب دس سے پندرہ کوڑوں تک ہے ۔ اور جو اس سے بڑھ کر بیس تک لے جائے گا تو اسے اس کی سزا قیامت کے روز دی جائے گی ۔

محمد بن سحنون نے یہ بھی کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ غلام کو بھی دس کوڑوں سے زیادہ سزا دینا جائز نہیں ۔ اور جو اس حد تک سے آگے بڑھے گا تو اس سے روزِ قیامت کو قصاص لیا جائے گا ۔ لیکن حد کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے ۔ ہاں اگر اس سے قصور کثرت سے صادر ہوں تو دس سے زیادہ کی سزا بھی جائز ہو سکتی ہے ۔ اور یہ اس حالت میں جب وہ اپنے پہلے قصوروں کی معافی نہ مانگے ۔

رسول کریم صلعم نے عورتوں کی تادیب کی اجازت دی ہے ۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عمر اپنی بیوی کو مارتے تھے ۔ حضور صلعم نے فرمایا ہے کہ اگر باپ اپنے بیٹے کو اچھے اخلاق سکھائے تو یہ صدقہ دینے سے بہتر ہے ۔ بعض علما نے کہا ہے تادیب گناہ کے مطابق ہونی چاہیئے ۔ اور کبھی کبھی تادیب حد سے بڑھ بھی جاتی ہے ۔ اس رائے کے رکھنے والے سعید بن المسیب[۵] اور دوسرے لوگ ہیں ۔

---

[۵] سعید بن المسیب ۔ مدینۃ الرسول کے مشہور عالم اور فقیہ ۔ جنھوں نے برسوں مسجد نبوی میں پڑھایا ۔ ان کی روایات کا سلسلہ کسی سلسلۃ الذہب سے کم نہیں ۔

ختم قرآن[1] اور استاد کا معاوضہ

ابن سحنون سے دریافت کیا گیا کہ استاد ختم قرآن کی اُجرت کب لے سکتا ہے تو انھوں نے کہا جب وہ خاتمہ کے قریب پہنچ جائے اور دو تہائی قرآن سے آگے بڑھ جائے۔ اس پر میں نے ان سے پوچھا کہ اگر محض نصف قرآن پورا ہوا ہو تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے تو انھوں نے کہا کہ اس صورت میں اس کی ادائیگی (ختم قرآن کے انعام کی ادائیگی) لازمی قرار نہیں دی جا سکتی۔ ختم قرآن کا معاوضہ تو نصف۔ ثلث یا ربع قرآن پورا کرنے پر نہیں بلکہ پورے کا پورا قرآن ختم کرنے پر لازم آئے گا۔ ہاں اگر بچے کے ورثا اتنے پر ہی خوش ہو کر پورا معاوضہ ادا کر دیں تو یہ ان کی مرضی ہے لیکن شرعی لحاظ سے ان پر پوری ادائیگی لازم نہیں آتی)

ایک بار سحنون نے ایک شخص کے خلاف ختم قرآن کے معاوضہ (کی مقدار) کا جھگڑا فیصلہ کیا (ان کی رائے میں اس کی مقدار) یہ اس شخص کی غربت یا امارت کے مطابق ہو گی۔

چھٹی

ان سے پوچھا گیا کیا استاد کو بچوں کو ایک کی یا اس کے لگ بھگ چھٹی دینے کا حق حاصل ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ لوگوں کا یہی عمل ہے کہ ایک دن یا دن کے کچھ حصے کی چھٹی دے دیتے ہیں[2] لیکن استاد کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس سے زیادہ مدت کے لیے بچوں کو چھٹی دے۔ اس کے لیے اسے تمام بچوں کے والدین سے اجازت لینی ہو گی کیونکہ وہ ان کا اجیر ہے۔

ہدیہ

پھر سحنون سے پوچھا گیا کہ اگر طالب علم کوئی چیز ہدیہ میں پیش کرے یا نقدی کے طور پر دے تو کیا اس کے لینے کی اجازت ہے۔ انھوں نے جواب دیا۔ اس کی اجازت نہیں۔ اجازت تو محض

---

[1] ختم قرآن سے مصنف کی مراد اس خاص معاوضہ یا انعام سے ہے جو استاد کو اس کی اُجرت کے علاوہ ختم قرآن کی تقریب کے موقعہ پر دیا جاتا تھا۔

[2] یہاں مدینۃ النبیؐ کے مکاتیب میں جو رسم و رواج تھا اس کی طرف اشارہ ہے۔

ختم قرآن کے معاوضہ اور اسی قسم کے عطیوں کی ہے۔ یا عیدین کے موقعہ پر، اس کے سوا والدین کی اجازت کے بغیر کسی قسم کے ہدیے جائز نہیں۔ اسی لیے بعض معلمین کی شہادت کو قضا کے مقدموں میں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ وہ ان فرائض کے ادا کرنے سے قاصر ہوتے ہیں جو ان پر واجب ہیں۔ ماسوا ایسے لوگوں کے جن کو اللہ اپنی حفاظت میں رکھتا ہے۔ یہ اصول اس وقت عائد ہوگا جب معلّم کو ماہانہ یا سالانہ مقررہ اجرت پر رکھا گیا ہے۔ اور اس کو یہ پہلے سے جتنا دیا گیا ہے۔ اگر اس کے ساتھ اس قسم کی کوئی شرط نہیں کی گئی تو اگر اسے کچھ دیا جائے تو وہ اسے قبول کرے اور جو اسے نہ دیا جائے اس کے بارے میں سوال نہ کرے۔ بہرحال وہ جس طرح چاہے کرسکتا ہے کیونکہ بچوں کے ولی گارڈین اس کے کام کو جانتے ہیں اگر وہ چاہیں تو اس معاملے میں کچھ دے دیں اور اگر نہ چاہیں تو نہ دیں۔

عطیۂ عید یا عیدی

میں (ابن سحنون) نے دریافت کیا کہ کیا عطیۂ عید لینا جائز ہے تو سحنون نے کہا یہ جائز نہیں البتہ اگر والدین عطیہ رضا و رغبت سے دیں تو جائز ہے۔ نیز استاد کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ اپنی مقررہ اجرت کے علاوہ بچوں کو کسی ہدیہ وغیرہ کے قسم کی چیز دینے پر مجبور کرے بلکہ اسے بچوں سے اس قسم کا کوئی سوال نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر اس کے مانگنے پر وہ اس کو دے بھی دیں تو یہ حرام ہے ہاں اگر بغیر مانگے کچھ دیں تو اس میں ہرج نہیں۔ اگر بچّے اس کو کچھ نہ دیں تو استاد ان کو اس پر سزا نہ دے اور اگر اس سلسلے میں وہ ان کو جھڑکے تو یہ بھی جائز نہیں۔ اور اگر وہ بچوں کو ہدیہ دینے پر چھٹی دے دے تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ بچوں میں چھٹی کی خواہش انھیں ہدیہ دینے کی ترغیب دیتی ہے اور یہ مکروہ ہے۔

بچوں کے لیے تعطیلات

میں (محمد ابن سحنون) نے اپنے والد سے پوچھا کہ عیدین کے موقع پر چھٹی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ انھوں نے جواب دیا عید الفطر کے موقع پر ایک دن کی چھٹی، اور اگر تین دن کی رخصت بھی دے دی جائے تو ایسی قباحت نہیں۔ اسی طرح عید الضحٰے کے موقع پر تین دن کی

تعطیل، اور اگر پانچ دن کی بھی دے دی جائے تو بھی کوئی ہرج کی بات نہیں۔ مَیں نے کہا کیا استاد کسی بچے کو دوسرے کے بُلانے کے لیے اس کے گھر بھیج سکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ جب تک بچّوں کے باپ یا ولی اس کی اجازت نہ دیں اس وقت تک یہ جائز نہیں۔ ہاں اگر دوسرے بچے کا گھر قریب ہو اور بلانے والا بچّہ اس میں زیادہ وقت نہ لگائے تو ہرج نہیں۔ اس سلسلے میں استاد کو چاہیئے کہ وہ خود مکتب میں بچّوں کی واپسی کا خیال رکھے اور اگر وہ واپس نہیں آتے تو ان کے والدین کو اس بارے میں اطلاع دے۔

عریف یا مانیٹر ۵ل

انھوں نے یہ بھی کہا کہ زیر تربیت بچّوں میں سے کسی کو خلیفہ یا مانیٹر نہ بنائے بلکہ عریف یا خلیفہ اس کو بنائے جو قرآن ختم کر چکا ہو۔ قرآن کو سمجھتا ہو اور تعلیم سے فارغ ہو چکا ہو اور اسے اس صورت میں ہی عریف بنائے جب کہ یہ امر بچّے کے لیے مفید ہو یا اس کا والد اس بات کی اجازت دے یا دینی امداد کے لیے ایسے شخص کو اُجرت پر رکھے جو بچّوں کی تعلیم کا اسی طرح انجام دے سکتا ہے جیسا کہ وہ خود کرتا ہے۔

استاد کی حاضری

استاد کے لیے یہ جائز نہیں کہ جس وقت بچّے مکتب میں ہوں اس وقت ان کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول ہو۔ البتہ اس میں کوئی ہرج نہیں کہ وہ کسی سے باتیں کرے اور اس حالت میں ساتھ ساتھ بچّوں پر بھی نگاہ رکھے اور انھیں توجہ دیتا رہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ لوگ ختم

۵ل اسلامی نظام تعلیم کے میں مانیٹوریل نظام (Monitorial system) ابتدا سے ہی رائج ہو چکا تھا اس کی انگلستان کے تعلیمی نظام میں خاص اہمیت ہے۔ عریف یا مانیٹر کے نظام کو ایک عیسائی پادری نے ہندوستان میں مطالعہ کیا اور اسے انگلستان کے ان ابتدائی سکولوں میں رائج کیا جو چرچ کی انجمنوں کے زیر اہتمام قائم کئے گئے تھے۔ انگلستان کے نظام تعلیم میں ان اداروں کا مانی ٹوریل نظام کے اسکول کہتے ہیں۔ ان کی وجہ سے انگلستان میں عوام کی ناخواندگی دور ختم ہوا۔

قرآن کے سلسلے میں جو میوے نچھاور کرتے اور انھیں لوٹتے ہیں ۔ ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ۔ انھوں نے کہا یہ جائز نہیں کیونکہ یہ نہبہ یا لوٹ کی مد میں آتا ہے اور رسول کریم صلعم نے اس لوٹ کا مال کھانے سے منع فرمایا ہے ۔

اُستاد کے لیے نماز جنازہ

اور استاد کے لیے لازم ہے کہ بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں پوری مستعدی دکھائے اور ان کے لیے وہ ہر دوسری مشغولیت سے احتراز کرے اسی لیے اس کے لیے نماز جنازہ جائز نہیں ہے صرف اس صورت میں جائز ہے جب اس سے مفر نہ ہو ۔ کیونکہ وہ ایک اجیر ہے یعنی اسے اجرت پر رکھا گیا ہے اس لیے وہ کسی حالت میں بھی اپنے کام کو ترک نہیں کر سکتا ۔ نہ نماز جنازہ میں شریک ہو سکتا ہے اور نہ ہی بیماروں کی عیادت کے لیے جا سکتا ہے ۔

استاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ بچوں کے لیے کتاب پڑھنے کا خاص وقت مقرر کرے اور اُن کو بہترین قرأت کے ساتھ پڑھنا سکھائے کیونکہ اسی میں ان کی بہتری اور ان کی تعلیم کی پختگی ہے ۔

بچوں کے لیے اس بات کی اجازت ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کی تادیب کریں ۔ لیکن تین تھپڑوں سے زیادہ کسی صورت میں جائز نہیں[۱] ۔ اور استاد کے لیے یہ جائز نہیں کہ بچے کے سر پر یا منہ پر مارے اور یہ بھی جائز نہیں کہ اس کو بطور سزا کے کھانے پینے سے روکے جبکہ وہ دوسرے بچوں کو (دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے) گھر بھیجتا ہے ۔

اُستاد کے اوقات

میں نے دریافت کیا کہ استاد کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنے لیے یا کسی دوسرے کے لیے فقہ کی کتاب نقل کرے تو کہا کہ اگر بچوں سے فارغ وقت میں نقل کرے تو اس بات میں کوئی ہرج نہیں کہ اپنے لیے یا اپنے دوستوں کے لیے کتابت کرے ۔ مثلاً ایسے وقت میں جب وہ بچوں کو

---

[۱] تادیب کی اجازت عریف ۔ معید یا مانیٹر کو ہی ہو سکتی ہے ۔

(دوپہر کے وقت) گھر جانے کی اجازت دے چکا ہو۔ لیکن جن اوقات میں بچے اس کے ساتھ ہیں۔ اس وقت یہ جائز نہیں اور یہ جائز ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ وہ فریضہ (تدریس) کو چھوڑ کر غیر فریضہ (کتابت) کی طرف متوجہ ہو۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اس کے لیے تو یہ بھی جائز نہیں کہ بچوں کو آپس میں ایک دوسرے کو پڑھانے پر لگا دے۔ تو اسے بچوں کی پڑھائی کے علاوہ کسی اور کام کی کیسے اجازت دی جا سکتی ہے۔

میں نے پوچھا کیا اس بات کی اجازت ہے کہ طالب علم کسی کو خط لکھے تو کہا اس میں کوئی ہرج نہیں، اور یہ بات تو طالب علم کو خطوط نویسی کے لیے مہارت بہم پہنچاتی ہے۔

نصاب

استاد کو چاہیئے کہ ان کو حساب پڑھائے لیکن یہ اس کا فرض منصبی نہیں، البتہ اگر اس کی شرط کی گئی ہے تو اس کا بھی اس کے فرض منصبی میں شمار ہو گا۔ اور یہی اصول نظم، غریب (صنائع و بدائع) عربی زبان خط اور پورے نحو (گرامر) کے بارے میں عائد ہوتا ہے یہ بھی سب کے سب اُمور نافلہ ہیں۔ ان کا درجہ فرض منصبی کا نہیں۔ البتہ اس کا یہ فرض ہے کہ بچوں کو اعراب قرآن پڑھائے۔ شکل، ہجا، خوش خطی، حُسنِ قرآت، توقیف، ترتیل وغیرہ بھی پڑھانے لازمی ہیں۔ بچوں کو ایسے شعر پڑھانے میں کوئی ہرج نہیں جس میں کلام العرب اور اخبار (تاریخ) کا فحش مواد نہ ہو۔

بچوں کو حُسنِ قرآت سکھانا ضروری ہے اور یہ نافع کی پیروی میں ہونا چاہیئے[1] اور اگر اس کے علاوہ کسی اور کی قرآت کے مطابق سکھائے تو اس میں بھی ہرج نہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ قرآت غیر پسندیدہ نہ ہو۔ مثلاً (یُبَشِّرُوکَ) و (وُلُوْلٌ ۤ) وَ (حِرَامٌ علی قرٰیۃٍ) بجائے اس طرح پڑھنا چاہیئے۔ (یَبَشِّرُوکَ) و (وَلَدَ ۤ) و (حَرَامٌ

---

[1] یعنی قرآن کی قرآت حضرت نافع کی تتبع میں کی جائے۔ حضرت نافع کا قرآت قرآن کے سلسلے میں ایک خاص دبستان تھا۔

علیٰ قرأیتہٖ) اور اسی طرح کی اور چیزیں ہیں۔ اس میں کُلّی طور پر اس طریق کی پیروی کی جائے جس میں رسول کریمؐ کے اصحاب نے قرأت کی ہے۔

سزا دینے کا سامان

دِرہ اور خلیفہ کی خریداری کا خرچ معلم کو برداشت کرنا چاہیئے۔ اور اس کا بوجھ بچوں پر نہیں ڈالنا چاہیئے نیز حالوت یعنی مکتب کے مکان کا کرایہ بھی بچوں کی بجائے خود استاد کو ادا کرنا ہوگا۔ استاد پر یہ فرض ہے کہ ان کی تعلیم اور عرض[۱] دونوں پر خاص توجہ دے۔ اسے چاہیئے کہ عرض یا آموختہ کے سننے کے لیے خاص اوقات مقرر کرے مثلاً جمعرات کا دن یا بدھ کی شام۔ اور انھیں جمعہ کے دن چھٹی دے معلّمین کے ہاں یہی رواج ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ تعلیم بچوں پر بار نہ ہو[۲]

اگر استاد انھیں خطبات[۳] پڑھائے تو کوئی ہرج نہیں لیکن میری رائے میں ان کو الحان نہیں سکھانا چاہیئے۔ کیونکہ امام مالک کے قول کے مطابق قرآن کو الحان سے پڑھنا جائز نہیں۔

اور میری رائے میں ان کو تحبیر[۴] بھی نہیں سکھانی چاہیئے کیونکہ اس سے غنا کی ترغیب ہوتی ہے۔ اور غنا مکروہ ہے۔ اور چاہیئے کہ اس کی پوری شدت سے ممانعت کرے۔ ابن سحنون کے قول کے

۱۔ عرض سے یہاں مصنف کی مراد سبق کا اعادہ ہے جس میں طلبا آموختہ کو استاد کے سامنے پیش یا عرض کرتے ہیں۔

۲۔ یعنی مدینہ کے معلّموں میں یہی رواج ہے۔ مابعد میں یہودیوں کے مدرسے بھی موجود تھے۔ جمعہ کی چھٹی مسلم مکاتیب میں ہوتی تھی۔

۳۔ فصیح اور بلیغ لوگوں کے خطبا بھی عربی ادب کا جزو ہوتے تھے۔ یہ محض ادب کا ہی اچھا نمونہ نہیں ہوتے تھے بلکہ عملی طور پر بھی بچوں کے لیے خطابت کا نمونہ مہیا کرتے تھے۔

۴۔ تحبیر سے مراد ہے دلکش نغمہ (تاج العروس) یہ لفظ حدیث میں بھی آیا ہے۔ ایک دفعہ ابو موسی الاشعری رات کے وقت بلند آواز سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ رسول کریمؐ انھیں بہت شوق سے سنتے رہے۔ حضرت موسیٰ کو جب معلوم ہوا تو کہنے لگے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ سُن رہے ہیں تو میں آپ کے لیے اس کی تحبیر کرتا۔

بموجب سحنون نے کہا کہ مالک سے ایسی مجالس کے بارے میں دریافت کیا گیا تھا جن میں قرأت کی جاتی ہے تو انھوں نے کہا یہ بدعت ہے اور میری رائے میں والی شہر کو چاہیئے کہ لوگوں کو ان سے روکے استاد کو چاہیئے کہ بچوں کی عادات کو بہتر بنائے اور ان کو ادب سکھائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ واجب ہے کہ طلبا کو نصیحت کرتا رہے اور ان کی عادات کا تحفظ کرے اور ان کا خیال رکھے۔

اوقات سبق

استاد کو چاہیئے کہ بچوں کو کتابت یا لکھائی سکھانے کے لیے دوپہر سے چھٹی تک کا وقت مقرر کرے اور اس بات میں کوئی ہرج نہیں کہ ایک طالب علم دوسروں کو املا کرائے۔ کیونکہ یہ ان کے لیے منفعت بخش ہے۔ استاد کو چاہیئے کہ بچّوں کے املا پر پوری توجہ دے اور اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ جب تک بچّے ایک سورۃ کو اس کے اعراب اور کتابت کے لحاظ سے اچھی طرح حفظ نہ کرلیں اس وقت تک دوسری سورۃ شروع نہ کرے۔

اُجرت کی ادائیگی

طلبا کے والدین کے لیے لازمی ہے کہ وہ استاد کی اُجرت کی ادائیگی کا انتظام کریں۔ اگر بچّے کا باپ نہ ہو تو اس کی جگہ اس کا ولی یا وصی یہ کام سرانجام دے۔ اگر استاد کو اس کی ادائیگی بچے کے مال سے نہیں ہوتی بلکہ وہ شخص کرتا ہے جس کی کفالت میں بچہ رہتا ہے تو اس پر بھی لازمی ہے کہ وہ استاد کے لیے وَیسی ہی سہولت بہم پہنچائے جیسے کہ اس کا باپ کرتا۔ اگر یہ ادائیگی بچّے کے مال سے ہوتی ہے تو جب تک اس بات کا اطمینان نہ ہو جائے کہ استاد نے ایک سورۃ کو جیسا کہ آپ سمجھتے ہیں حفظ کرا دیا ہے اس وقت تک استاد کی ادائیگی جائز نہیں۔ اور اگر آپ بچّے کے مال سے ادا کر رہے ہیں تو اس پر بھی یہی حکم وارد ہوتا ہے [۱]

---

[۱] گویا اگر ادائیگی بچّے کے مال سے کی جائے تو اس پر یہ مزید شرط عائد کر دی گئی ہے کہ اس بات کی جانچ پڑتال کر لی جائے کہ بچّے نے سورۃ کو اچھی طرح حفظ کر لیا ہے ادائیگی اس کے بعد کی جائے۔ اگر ادائیگی والد یا اس کے وصی یعنی گارڈین کے مال سے کی جا رہی ہے تو اتنی سخت جانچ پڑتال کی ضرورت نہیں۔